اُستاد شہید مُرتضےٰ مُطہری

آیت اللہ مرتضیٰ مطہری کی شہادت پر امام خمینی کا پیغام

میں اسلام، اس کے عظیم الشان رہنماؤں اور خصوصاً ایران کی بہادر قوم کو شہید اعظم دانشور مفکر، فلسفی اور عالم دین مرحوم حاجی شیخ مرتضیٰ مطہری قدس سرہٗ کی شہادت پر تعزیت اور مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ تعزیت، اُس شخص کی شہادت پر جس نے اپنی عمر عزیز کے بیش قیمت ایام کو اسلام کے مقاصد مقدس کی راہ میں صرف کیا اور بے راہ روی اور کجروی کے خلاف سختی اور شدت سے جہاد کیا۔ تعزیت اُس شخص کی شہادت پر، جس کا علم اسلامیات، مختلف فنونِ اسلامی اور قرآنِ کریم کے بارے میں بے کراں تھا۔ میں اپنے اس نہایت عزیز فرزند کو کھو کر آج اس کے سوگ میں بیٹھا ہوں جس کی شخصیت میرے لئے حاصلِ عمر کی حیثیت رکھتی تھی۔ اسلام کو اپنے اس عزیز فرزند اور جاوداں عالم کی شہادت سے سخت نقصان پہنچا ہے، جس کی تلافی ہرگز کسی طرح سے نہیں ہو سکتی۔ اور مبارکباد اس امر کے لیے کہ اسلام میں ایسی شخصیتیں موجود ہیں جو اپنی زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی دنیا کے لیے مشعلِ راہ بنی رہی ہیں۔ میں عظیم اسلام کو، انسانوں کے مربی اسلام کو اور اُمت اسلامیہ کو مبارکباد پیش کرتا ہوں جس نے ایسے جاں باز فرزندوں کی تربیت کی جو اپنی شعاعِ فروزاں سے مُردوں کو حیاتِ تازہ بخشتے اور تاریکیوں میں نور پھیلاتے ہیں۔ اگرچہ میں نے اپنے دل کے ٹکڑے کو ہاتھ سے کھو دیا ہے لیکن مجھے فخر ہے کہ اسلام میں ایسے جاں باز فرزند تھے اور اب بھی موجود ہیں 'مطہری' جس کی طہارت روح، قوت ایمانی اور قدرت بیان کم نظیر تھی، ہم میں سے اٹھ گئے اور ملائۂ اعلیٰ سے مل گئے۔ لیکن ہمارے بدخواہوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ اس کے دنیا سے

U.7674

چلے جانے سے اس کی اسلامی، علمی اور فلسفی شخصیت ختم نہیں ہوگئی۔ تخریب پسند قوتیں اسلام کی عظیم انسانی شخصیتوں کو نہیں مٹا سکتیں وہ جانتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی مہربانی اور مدد سے ہماری قوم ایسے اشخاص کے اٹھ جانے کے بعد بے راہ روی، جبر و ظلم اور سامراجیت کے خلاف اور مصمم ہو جاتی ہے ہماری قوم نے اپنی راہ ڈھونڈلی ہے اور جب تک وہ سابق حکومت کی گھناؤنی جڑوں اور اُس کے منحوس طرف داروں کو جڑ سے ختم نہیں کرلیتی، چین کا سانس نہ لے گی۔ ہمارا پیارا اسلام جاں نثاری اور اپنے پیاروں کی اس کی راہ میں قربانی دینے سے ہی دنیا میں پھیلا ہے۔ اسلام کی پالیسی شروع سے آج تک شہادت کے ساتھ شہامت رہی ہے۔ اللہ کی راہ میں اور کمزوروں کی راہ میں جان دینا اسلام کی تعلیمات میں سے ہے۔ دشمنوں کو اپنی موت اور شکست دکھائی دے رہی ہے۔ لہٰذا وہ اپنی غیر انسانی حرکتوں کے ذریعے انتقام لینا چاہتے ہیں۔ یا اپنی خام خیالی میں مجاہدینِ اسلام کو ڈرانا چاہتے ہیں۔ اُنھوں نے یہ نہیں سوچا کہ ہمارے ہر شہید کے روئیں روئیں سے اور اس کے ہر قطرۂ خون سے جو زمین پر گرتا ہے ہزاروں مصمم اور بہادر انسان پیدا ہوتے ہیں۔ ہاں اگر تم ہماری بہادر قوم کے ہر فرد کو قتل کرسکو تو اور بات ہے۔ ورنہ اپنی غارت گری کے اعادہ کی خاطر کتنی ہی عظیم شخصیت کو مروا ڈالنے سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہونچ سکتا۔۔ وہ قوم جو خداوند عظیم پر ایمان رکھتی ہے۔ اور جو احیائے اسلام کے لیے اٹھی ہے، اس خوں ریزی اور کشت و خون سے ڈر کر پیچھے ہٹنے والی نہیں ہے۔ ہم ہر قربانی کے لیے اور راہِ خدا میں شہادت کے لیے آمادہ ہیں۔ میں جمعرات ۱۳ر اردیبہشت ۱۳۵۸ کو اس جانباز مجاہد اسلام و قوم شخصیت کے سوگ میں عام تعطیل قرار دیتا ہوں۔ خداوند تعالےٰ سے اسلام کے اس فرزند عزیز کے لیے مغفرت چاہتا ہوں، خدا اسے اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور پیارے اسلام کو عظمت و توقیر عطا فرمائے (آمین)

راہِ حق و آزادی کے شہیدوں پر درود و سلام

روح اللہ الموسوی الخمینی

آیت اللہ مطہری کے یوم شہادت پر
امام خمینی کا پیغام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اگرچہ ایران کا انقلاب اسلامی، بدخواہوں اور فسادیوں کے زعم کے باوجود اللہ تعالےٰ کی توفیق اور یاری سے کامیابی سے ہمکنار ہوا اور تقریباً ایک سال کے دوران آہستہ آہستہ نہایت سکون کے ساتھ سماج میں اسلامی قوانین کے مطابق تبدیلیاں لائی گئیں لیکن اس کے ساتھ ہی اسلامی اور علمی مراکز اور قوم کو منافقوں اور مخالف انقلاب قوتوں کے ہاتھوں ناقابل تلافی نقصان بھی پہنچا۔ جیسے کہ مرحوم دانشور اور عظیم ماہر اسلامیات حجتہ الاسلام جناب حاجی شیخ مرتضیٰ شہید مطہری رحمتہ اللہ علیہ کا قتل ہے۔ یہاں میں اس عزیز شخصیت کے بارے میں اپنے ذاتی احساسات و جذبات کا اظہار نہیں کرسکتا جو کچھ میں اس کے بارے میں عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ اس نے اسلام اور علم کی قابلِ تعریف خدمات انجام دی ہیں اور نہایت افسوس کا مقام ہے کہ ایک مجرم کے ہاتھ نے اس ثمر آور درخت کو علمی اور اسلامی حلقوں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جدا کر کے ہم سب کو اس کے پھل سے محروم کردیا۔ مطہری میرے لیے ایک عزیز فرزند کی مانند تھا وہ دینی اور علمی حلقوں کے لیے ایک مضبوط دیوار کی مانند تھا۔ وہ اپنے ملک و قوم کے لیے جاں نثار خدمت گزار تھا۔ خدا اس پر اپنی رحمت کرے اور اسے اسلام کے عظیم خدمت گزاروں کے درمیان جگہ عنایت فرمائے۔ اب سننے میں آرہا ہے کہ مخالفینِ اسلام اور انقلاب مخالف گروہ اس کوشش میں ہیں کہ اسلام مخالف پروپیگنڈے کے ذریعے یونیورسٹی کے عزیز نوجوانوں کو مرحوم پروفیسر کی کتابوں سے مستفید نہ ہونے دیں۔ میں متعہد طلبہ اور ترقی پسند طبقے سے سفارش کرتا ہوں کہ اس عزیز استاد کی کتابوں کو غیر اسلامی سازشوں کی نذر نہ ہونے دیں۔ خداوند تعالےٰ سے سب کے لیے نیک توفیق چاہتا ہوں۔

والسلام علیٰ عباد اللہ الصالحین

روح اللہ الموسوی الخمینی

۲۷۔ اسفند ماہ ۵۸

۲۹، ربیع الاوّل

استاد شہید مرتضیٰ مطہری کے حالاتِ زندگی

اُستاد شہید مطہری نے ۱۳ بہمن ۱۲۹۸ ہجری شمسی کو فریمان کے قصبے میں، جو مشہد کے مقدس شہر سے ۷۵ کلومیٹر کی دوری پر واقع ہے، ایک خاندانی اور مذہبی گھرانے میں آنکھ کھولی۔ اُن کے والد مرحوم حاجی محمد حسین مطہری ایک متقی انسان تھے۔ جن کا سبھی احترام کرتے تھے۔ وہ زہد و تقویٰ اور اسلامی آداب کا مکمل نمونہ تھے اور گناہوں سے کوسوں دُور تھے۔ وہ اپنے تزکیۂ نفس کی بدولت ایک خاص درجہ پر فائز تھے۔ بچپن ہی سے استاد مطہری کے عادات و اطوار سے ان کے درخشاں مستقبل کا نشان ملتا تھا۔ انھوں نے بچپن ہی سے تقویٰ و پاکیزگی اپنے والد سے سیکھی۔ بچپن میں وہ مکتب میں بٹھا دیے گئے۔ اور قرآن شریف اور دیگر ابتدائی دینی تعلیمات کے حصول میں مشغول ہو گئے۔ اس دوران میں بارہ سال کی عمر کو پہنچنے تک ان میں دو خصوصیتیں نشوونما پا چکی تھیں۔ اور انھیں ان کی قدر و قیمت کا اندازہ ہو چکا تھا۔ پہلی خصوصیت تھی ایمان اور تقویٰ اور دوسری اسلام سے والہانہ شیفتگی اور اسلامی علوم اور معارف و فلسفہ سے دل بستگی، بارہ سال کی عمر میں انھوں نے مشہد کی دینی درس گاہ کا رُخ کیا۔ اور ابتدائی علوم اسلامی، منطق و فلسفہ اور عربی ادبیات کی تحصیل میں مشغول ہو گئے۔ لیکن اس دوران ان میں زبردست انقلاب رونما ہوا۔ جس نے بعد میں اُن کے تمام افکار و خیالات اور اعمال و حرکات پر اثر ڈالا۔ یہ قلب ماہیت اور ذہنی انتشار اسی حساس اور نازک موضوع کے بارے میں ہے یعنی اثبات یا انکار ذات خداوندی اور یہ وہ موضوع ہے جس نے اوائل تا زندگی سے تا این دم افکار و خیالات کو مشغول رکھا ہے۔

۱۳۱۶ ہجری شمسی میں وہ مزید تعلیم جاری رکھنے کے لیے قم کی دینی درس گاہ پہنچے جبکہ اُن کی عمر ۱۸ سال سے زیادہ نہ تھی۔ اس دینی درس گاہ میں وہ آیت اللہ شیخ عبدالکریم حائری، آیت اللہ سید محمد محقق المعروف بہ داماد، آیت اللہ سید محمد حجت و آیت اللہ صدر جیسی بزرگ شخصیتوں سے استفادہ کرتے ہیں۔ قم میں اُن کی مدتِ اقامت پندرہ سال

ہے جہاں وہ اپنی ذات کی تلاش نیز اس ہستی کی جستجو میں منہمک رہے جس سے وہ اپنی تشنہ روح کو سیراب کرنا چاہتے تھے۔ سن ۱۳۱۸ میں انہوں نے عالم و مجاہد عالی قدر امام خمینی کے درس میں شرکت کرنی شروع کی انھوں نے اُن سے فلسفۂ عرفانی کی تعلیم حاصل کی۔ اور خوب بہرہ اندوز ہوئے۔

وہ خود اپنی کتاب "میرے استادِ امام" میں اس طرح رقم طراز ہیں، "میں نے قم پہنچنے کے بعد اپنی ذات گم شدہ کو ایک دوسری ہستی میں پالیا۔ میں نے اس نئی ہستی میں مرحوم آقا میرزا مہدی (اُن کے ایک دوسرے استاد) کی تمام خصوصیات کے علاوہ دیگر صفات بھی پائیں۔ مجھے محسوس ہوتا تھا کہ میری تشنہ روح اسی شخصیت کے سرچشمۂ زلال سے سیراب ہوگی۔ اگرچہ قم ہجرت کرنے کے فوراً بعد میں ابتدائی تعلیم سے فارغ نہ ہوا تھا اور ہنوز معقولات کے درس میں شریک ہونے کے قابل نہ تھا لیکن ہر جمعرات اور جمعہ کو اپنی محبوب شخصیت کے درسِ اخلاق میں شریک ہوتا تھا۔ جو درحقیقت نہایت عارفانہ، اور سیر و سلوک پر مبنی ہوتا تھا نہ کہ محض ایک خشک علمی درسِ اخلاق۔ میں مست ہوجاتا تھا۔ بلا مبالغہ اس درس کے بعد میں اس طرح حالت وجد میں آجاتا تھا کہ اگلے درس تک خود کو اسی درس کے تحت اثر پاتا تھا۔ میری ذہنی اور روحانی شخصیت کو سنوارنے میں ان درسوں کا اور آنے والے بارہ برسوں میں جو اپنے استاد مکرم سے فیض حاصل کیا، اس کا بڑا اہم حصہ ہے۔ میں ہمیشہ ان کا مرہونِ منت رہوں گا۔ اور میں سچ سچ سمجھتا ہوں کہ وہ خدا کی بھیجی ہوئی ایک مقدس روح تھے" ہاں، یہ رُوحِ مقدس حضرتِ امام خمینی ہی تھے جو عظیم ترین شخصیتوں میں سے ہیں جنہوں نے شہید استاد کی علمی اور معنوی شخصیت کو بنانے میں اہم نقش ادا کیا۔

استاد مطہری دینی درس گاہ میں تحصیل کے دوران نہایت تن دہی سے کسب علوم میں جٹے رہے وہ نہایت خشوع اور خضوع کے ساتھ عبادت کرتے تھے وہ تہجد گزار تھے۔ حضرت آیت اللہ منتظری اور استاد مطہری، قم میں ایک ہی حجرہ میں رہتے تھے۔ اور شروع ہی سے دونوں میں دوستی اور یگانگت کا وہ گہرا رشتہ قائم ہوگیا جس میں روز بروز استحکام بڑھتا گیا۔ یہ دونوں دوست امام خمینی اور آیت اللہ بروجردی کے خاص اور ممتاز شاگرد تھے۔ استاد مطہری اور آیت اللہ منتظری قم کی دینی درس گاہ کے نمایاں اور سربرآوردہ طالب علموں میں سے تھے۔

اور ان دونوں پر سب کی نظریں لگی رہتی تھیں۔

۱۳۲۰ ہجری شمسی میں اُن کی زندگی میں ایک واقعہ رونما ہوا جو بعد میں ان کی علمی و معنوی شخصیت کی تخلیق میں بے حد مؤثر واقع ہوا۔ یہ حادثہ تھا مرحوم جناب حاجی مرزا علی آقا شیرازی اصفہانی سے ملاقات۔ اسی آشنائی کے نتیجہ میں استاد مطہری کی اس روحانی عالم سے شناسائی نے انھیں دو طرح متاثر کیا۔ پہلا اثر جذب روحانی اور دوسرا نہج البلاغہ سے واقفیت۔ استاد مطہری اس عالم ربانی کے شیفتہ و دلباختہ تھے اور اس عظیم انسان کی بہت سی اخلاقی و روحانی صفات کو اپنی ذات میں سمو لیا تھا۔

تحصیل و تدریس اُستاد مطہری

دینی درس گاہوں میں ایک قابل تعریف طریقہ جو رائج ہے وہ یہ ہے کہ تھوڑے سے وقفے کے ساتھ تحصیل و تدریس ساتھ ساتھ شروع ہو جاتے ہیں اور عام طور پر ایک طالب علم حصولِ تعلیم کے ساتھ اپنے سے کمتر سطح کے طلبہ کو درس دینا شروع کر دیتا ہے۔

استاد شہید مطہری ۲۲ ۔ ۲۳ ہجری شمسی تک متوسط اور اعلیٰ سطح پر ادب، منطق اور فقہ و اصول کے درس میں مشغول رہے۔ اور اس کے بعد بنیادی تعلیمات، تحقیق اور معقولات کی تعلیم میں لگ گئے۔ اِن کے اہم ترین اُستاد تھے: امام خمینی، آیت اللہ بروجردی اور علامہ سید محمد حسین طباطبائی۔

۱۔ امام خمینی انھوں نے بارہ سال تک اپنے روحانی استاد امام خمینی سے فکری و معنوی فیض حاصل کیا۔ درس اخلاقیات کے بعد آپ سے فلسفہ ملا صدرا اور علوم باطنی کے درس لیے اس کے علاوہ چند سال تک امام کے درس خارج اصول میں بھی حاضر ہوتے رہے

۲۔ مرحوم آیت اللہ بروجردی مرحوم آیت اللہ بروجردی جو سماجی اور سیاسی مضامین کے استاد تھے، بروجرد میں رہتے تھے اور قم کی دینی درس گاہ کے علماء کی درخواست پر ۱۳۲۲ میں بروجرد سے قم آئے۔ استاد شہید مطہری نے بھی ان سے فقہ و اصول کے درس لیے۔

۳ استاد علامہ سید محمد حسین طباطبائی — استاد طباطبائی نے ۱۳۲۵ میں تبریز سے قم ہجرت کی اور جلد ہی ان کا مقام اور قابلیت خصوصاً فلسفہ، تفسیر کے باب میں سب پر روشن ہوگئی۔ استاد مطہری ۱۳۲۹ میں اُن کے دینیات کے زبانی درس میں، جو خاص طور پر قائم کیا گیا تھا۔ شریک ہوتے رہے ان کے علاوہ اس درس میں آیت اللہ منتظری اور ڈاکٹر بہشتی بھی شامل ہوتے تھے۔ علامہ طباطبائی اس درس کے علاوہ ایک اور خصوصی درس اصول فلسفہ اور روش ریالیسم پر دیتے تھے۔ ان کے علاوہ اسفار اربعہ (ملا صدرا کی ایک کتاب) اور تفسیر قرآن بھی آپ ہی کے سپرد تھی یہ تفسیر بعد میں تفسیر المیزان کے نام سے موسوم ہوئی۔ اور استاد مطہری اس کے ممتاز طلبا رمیں سے تھے۔

۴۔ مرحوم مرزا مہدی آشتیانی۔ استاد مطہری نے ایک سال اس عظیم فلسفی سے بھی خوشہ چینی کی۔

۵۔ مرحوم آیت اللہ سید محمد حجت۔ کافی عرصے تک استاد مطہری ان کے درس اصول میں شریک رہے۔

۶۔ مرحوم آیت اللہ سید محمد محقق داماد۔ ان کے فقہ کے درس میں استاد مطہری حاضر ہوئے اور استفادہ کیا۔

۷۔ مرحوم حاجی مرزا علی آقا اصفہانی شیرازی۔ استاد مطہری آپ کے محضر سے بھی مستفید ہوئے۔

دہریت پر لکھی گئی کتابوں سے شناسائی

جناب مطہری کی تعلیمی زندگی کے دوران اور ان کی حیات کے آخری لمحوں تک جو اتفاق پیش آتے رہے وہ ان کی دہریت سے متعلق کتابوں سے شناسائی تھی، سب سے پہلے ۱۳۲۵ میں انہوں نے دہریت پر لکھی کتابیں پڑھیں باوجودیکہ انھیں فلسفہ سے انتہائی دلچسپی تھی اور اس موضوع پر اپنی قدرت استعداد ظاہر بھی کر چکے تھے۔ وہ دہریت پر کتابیں مطالعہ

کرنے لگے۔ یہ مطالعہ ان کے لیے بے حد مفید ثابت ہوا۔ کیونکہ وہ آخر عمر تک دینی فلسفے اور دنیاوی فلسفے کے مطالعے میں معروف رہے۔ اور اس طرح دونوں فلسفوں کا نقطۂ امتیاز پہچاننے میں کامیاب ہوئے انھوں نے دنیوی و دنیاوی نقطۂ نظر کا ایک دوسرے سے موازنہ کیا اور اس وقت اسلامی افکار و تعلیمات کی اصلیت و حقیقت کی پاسداری اور نگہبانی کی جب ہر طرف سے دہریت پسند افکار کا ہجوم تھا۔

۴۔ اسلامی معاشرہ کی مشکلات سے شناسائی اور سیاسی و سماجی جد و جہد قم کی دینی درسگاہ میں تعلیم کے دوران استاد مطہری کی زندگی کا ایک دوسرا دور شروع ہوا جو نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ یہ وہ دور تھا جب انھیں اسلامی سوسائٹی کی مشکلات سے واقفیت حاصل ہوئی اور انہوں نے سیاسی اور سماجی سرگرمیاں شروع کیں۔ کیونکہ وہ اسلام اور اسلامی معاشرہ کے والہ و شیدا تھے۔ لہٰذا جو کچھ بھی اسلام اور مسلمانوں کی سرنوشت سے متعلق بات ہوتی تھی وہ اس کی جستجو اور تلاش میں رہتے تھے۔ قم کی دینی درس گاہ طلباء کے سیاسی افکار و خیالات کی تربیت اور نشو و نما کے لیے نہایت مناسب جگہ تھی۔ خاص طور پر ۱۳۲۷، ۱۳۲۸ اور ۱۳۲۹ ہجری شمسی میں جبکہ پورے ایران میں حصول آزادی کی تحریک عروج پر تھی۔ قم میں بھی کئی تحریکیں سرگرم تھیں ان میں سے فدائیان اسلام کی سرگرمیوں کا مرکز دینی درس گاہ قم تھی۔ استاد مطہری خود ان لوگوں میں سے تھے جو ان کارروائیوں میں برابر شریک رہتے تھے اور مختلف اسلامی جماعتوں اور فدائیان اسلام کے درمیان رابطہ قائم رکھتے تھے۔ ان کی رہنمائی کرتے تھے ان کے ساتھ تبادلۂ خیال کرتے تھے

دوسرے فاضل استادوں سے استاد شہید مطہری کی شخصیت قطعی جداگانہ تھی اس لحاظ سے کہ وہ سیاسی اور سماجی مسائل کی طرف زیادہ توجہ دیتے تھے۔ ان مسائل کی توضیح اور تشریح کرتے تھے۔ اور تحقیق آگاہی بہم پہنچاتے تھے اور اسلامی معاشرہ کی طرف بھی ان کا دھیان تھا۔ اور جہاں کہیں مناسب موقع ملتا تھا وہ اس بارے میں منطقی اور سنجیدہ دلائل دے کر عوام کو مسائل اور ان کا حل سمجھاتے تھے۔ اور اپنی تقریروں سے انہیں متاثر کرتے تھے۔ لہٰذا آہستہ آہستہ نوجوان طالب علم ان کی جانب کھنچے چلے گئے۔ سن ۱۳۲۵ استاد مطہری کی زندگی کے اہم سالوں میں سے ہے۔ کیونکہ اس زمانے کے بعد ان کا تلاشی دماغ سنجیدگی کے ساتھ بنیادی مسائل کی طرف متوجہ ہوگیا۔ اور وہ مسلمانوں کی پس ماندگی

کے بارے میں سوچنے لگے۔ اُنہیں دینی مراکز کی مشکلات اور مذہبی رہنماؤں کے مسائل اور الجھنیں ستانے لگیں۔ معارفِ اسلامی کی گہرائی سے عوام الناس کی دوری انھیں کھٹکنے لگی۔ اور ایسے ہی ہزاروں دوسرے مسائل ان کے دماغ میں آنے لگے۔

انھوں نے ۱۳۳۱ میں ایک عالم دین کی بیٹی سے عقد کیا اور اپنی بے داغ زندگی کو جاری رکھا۔ شادی سے پہلے وہ مدرسے کے ایک حجرہ میں رہتے تھے اور اُن کے رہن سہن سے ہی پتہ چلتا تھا کہ وہ درویشانہ زندگی بسر کرتے ہیں جبکہ وہ اپنے علمی اور معنوی سرمائے سے ہر ایک کو بہرہ ور کر رہے تھے۔ شادی کے بعد بھی ان کی زندگی میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ ماسوائے اس کے کہ اُنھوں نے حجرہ کے بجائے ایک کرائے کے کمرہ میں سکونت اختیار کر لی اور اپنی کتابوں کو وہاں منتقل کر دیا۔ اُن کی زندگی کافی مشکل سے گذر رہی تھی اور وہ کبھی کبھی اپنی کتابیں بیچنے پر یا دوستوں سے قرض لینے پر مجبور ہو جاتے تھے۔ لیکن ان کی فطرت میں وہ قناعت تھی کہ اُن مشکلات کا ذکر کبھی اپنی شریک زندگی سے بھی نہ کرتے تھے بلکہ ہمیشہ خندہ پیشانی اور لطف و محبت سے اُن کے ساتھ پیش آتے تھے۔

سن ۱۳۳۱ میں باوجود قم اور اپنی دینی درس گاہ سے شدید محبت کے انھیں قم چھوڑ کر مجبوراً تہران آنا پڑا۔

استاد مطہری کے دل میں حضرت عبداللہ انصاری، علامہ مجلسی، شیخ نصیرالدین طوسی، مرحوم حاجی ملا ہادی سبزواری، بوعلی سینا جیسے بزرگوں اور حافظ، سعدی اور رومی جیسے عارفین کے لیے نہایت عقیدت و احترام تھا۔ لیکن صدر المتالہین شیرازی (مرحوم آخوند) سے انھیں ارادتِ خاص اور والہانہ عشق تھا۔ سن ۱۳۳۴ میں انھیں تہران یونیورسٹی کی طرف سے دینیات اور اسلامیات کی تدریس کے لیے دعوت دی گئی، جو انھوں نے قبول کر لی۔ اور ۲۲ سال تک تہران یونیورسٹی میں پڑھاتے رہے۔ وہ اس علمی مرکز میں رہ کر اپنے تحقیقی کاموں میں لگے رہے اور کئی کتابیں، مقالے، تحقیقی مضامین اور متعدد تقریریں، مذہب، فلسفہ اور عرفان پر انھوں نے تصنیف کیں۔

استاد مطہری امام خمینی کے سرگرم رفیق کار اور حامی تھے۔ انہیں ۱۵ خرداد کی تحریک کے بعد شاہ کی پولیس نے گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا۔ استاد مطہری علمائے دین کی تحریک آزادی کے مؤسسین میں سے ایک تھے۔ وہ قم اور تہران میں امام خمینی کے افکار و خیالات کے ترجمان اور نمائندے تھے۔

۱۹۶۴ء میں جب عوام سے امام خمینی کا رابطہ کٹ گیا تھا۔ تو یہ سنگین ذمہ داری استاد مطہری جیسے رہنماؤں کے کندھوں پر آن پڑی کہ تحریک کو زندہ رکھیں اور انھوں نے اسی طرح ۱۵ خرداد کے ہنگاموں کے بعد بھی اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں۔ یہاں تک کہ شاہ کی حکومت نے ان پر منبر پر خطبہ پڑھنے اور درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھنے پر پابندی لگا دی۔ لیکن وہ ہمیشہ اپنی کوششوں میں مصروف رہے کہ زیادہ سے زیادہ مواقع حاصل کر کے عوام کو اصلیت اور حقیقت سمجھا سکیں۔ ان کا دوسرا اہم رول اسلامی وفود میں شرکت اور نمائندگی تھا۔ ان وفود کا اسلامی نقطۂ نظر کی توسیع میں بڑا حصہ رہا ہے۔

امام خمینی کی جانب سے استاد مطہری کو چند دوسری دینی شخصیتوں کے ساتھ قوم کی رہبری اور ہدایات کا کام سونپا گیا۔ استاد مطہری نے معاشرے کی برائیوں کو ظاہر کرنے اور ان کی اصلاح کے لیے ایک لحظہ کے واسطے بھی قلم ہاتھ سے نہ رکھا۔ اس زمانے میں مطہری جیسی شخصیتوں کا دم بے حد غنیمت تھا۔ کیونکہ وہ عوام میں بھی مقبول تھے، اپنی ذمہ داریوں کو بھی پہچانتے تھے اور مذہبی حلقوں میں خاص احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے اور تحریک سے انھیں عشق تھا۔ ان پر مؤتلفہ پارٹی کو بھی اعتماد تھا۔ اور وہ ترقی پسندوں سے بھی رابطہ قائم کیے ہوئے تھے۔

امام خمینی کی ترکی کو جلاوطنی کے بعد استاد مطہری کی ذمہ داریاں اور سنگین ہو گئیں تحریک کے کاموں کو خاص ذہانت اور ہوشیاری سے آگے بڑھایا گیا۔ امام خمینی کی جلاوطنی کے بعد آنے والے پہلے ماہ رمضان میں شہید بخارائی کی گولی نے وزیر اعظم وقت منصور کو ختم کر دیا۔ اور اس سلسلے میں مؤتلفہ کے رہنماؤں کو گرفتار کر لیا گیا۔ حکومت پر مؤتلفہ پارٹی سے استاد مطہری کا تعلق آشکارا ہو گیا۔ اس کے بعد سے وہ حکومت کے عتاب اور کینہ کا نشانہ بنے رہے۔ اور ساواک کے ایجنٹ ان کی نگرانی پر مقرر ہو گئے۔ لیکن مطہری ایسے شخص تھے جو ہمیشہ بنیادی اور تخلیقی کاموں کے بارے میں سوچتے رہتے۔ تحریک کی سمت اور جہت کا اندازہ کرتے تھے۔ ان کے کندھوں پر بھاری ذمہ داریوں کا بوجھ تھا۔ بہ حیثیت ایک قابل اور لائق ماہر اسلامیات اور دینی رہنما کے ان پر فرض تھا کہ اسلام کو پھیلانے اور اسے صحیح صورت میں پیش کرنے کے لیے سعی و کوشش کریں۔ لہٰذا وہ اپنے اس فرض سے ایک لمحہ کے لیے بھی غافل نہ تھے۔

مرحوم مطہری نہایت کم آمیز شخص تھے۔ وہ ایسے انسان تھے جو نام و نمود کی پروا نہیں کرتے حتی کہ بعض مرتبہ کوئی معروف شخص ان سے پہلی ملاقات کرتا تو اسے سرد مہری کا احساس ہوتا لیکن تھوڑے عرصے کی جان پہچان کے بعد اسے بخوبی ان کی گرم جوشی کا احساس ہو جاتا۔ علم کے معاملے میں وہ نہایت دقت پسند تھے۔ اور اس سلسلے میں ان کی موشگافیاں کسی سے مخفی نہیں۔ وہ نہایت نرم مزاج انسان تھے اور دوسروں کے نظریات اور خیالات کے بارے میں ان کی روش بے حد قابلِ توجہ تھی۔ بعض اوقات دیکھا گیا ہے کہ کسی خاص مسئلہ پر بات چیت ہو رہی ہے۔ اور انھوں نے اس موضوع کے ایسے نکتوں اور مطلبوں کو واضح کیا جو اس سے پہلے دوسروں کے وہم و خیال میں بھی نہ تھے۔ یہ بات بخوبی ظاہر کرتی ہے کہ وہ کسی چیز کو سرسری نظر سے نہیں دیکھتے تھے۔

اخلاقی لحاظ سے مرحوم مطہری سختی سے دینی احکام پر چلتے تھے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اُن کی آخر شب کی نمازیں کبھی ترک نہ ہوئیں۔ وہ رات کا زیادہ حصّہ جاگ کر گذارتے تھے۔ بقول آیت اللہ منتظری اُن کی طالب علمی کے زمانے میں اور دوسرے لوگوں کی اطلاع کے مطابق، پوری زندگی بھر، ان کی اس عادت میں کوئی فرق نہ آیا۔ عمر کے آخری دنوں میں خداوند متعال نے اُن پر بیشتر عنایت فرمائی اور وہ زیادہ سے زیادہ اپنے مولا کی عبادت میں مشغول رہنے لگے۔ البتہ یہ بات امام خمینی کے درس اور تعلیمات سے بخوبی جانی جا سکتی ہے۔ ہم سب ہی جانتے ہیں کہ امام خمینی عالم روحانیت میں بلند مقام رکھتے ہیں۔ اور انھوں نے کتنے ہی شاگردوں کی تربیت کی۔ جو بلند مرتبہ عارف ہوئے۔ بلاشک وہ عصرِ حاضر کے حقیقی عارفین میں سے ہیں۔ اور مرحوم مطہری ان کے شاگردوں میں سے ایک تھے۔ اس سلسلے میں ان کی تحریروں سے ظاہر ہوتا ہے کہ مقامات معنوی میں انھیں ایک خاص مقام حاصل تھا۔ مرحوم مطہری کے روحانی کردار کی تخلیق میں علامہ طباطبائی کے رول کو نہیں بھولنا چاہیئے۔ مرحوم مطہری نے علامہ طباطبائی سے طویل مدّت تک فلسفہ اور دینیات کی تعلیم حاصل کی، چنانچہ وہ اس سلسلے میں ان سے کافی حد تک

متاثر ہوئے۔ مرحوم مطہری بھی ہمیشہ عقیدت واحترام سے ان کو یاد کرتے تھے اور اپنی تحریروں میں کبھی کبھی ان کے نام کے ساتھ لفظ " روحی فداہ " بھی لکھتے تھے

جدید افکار و خیالات کے بارے میں، مرحوم مطہری کو خواتین کی آزادی کے بارے میں، ڈیموکریسی اور مختلف نقطۂ نظر اور آئیڈیالوجی اور ان سب مسائل کو نوجوانوں کو سمجھانے اور اس سلسلے میں پروگرام مرتب کرنے سے بے حد دلچسپی تھی۔ اور جیسا کہ ان کی ڈائری سے پتہ چلتا ہے۔ ان مسائل کے بارے میں انھوں نے بہت سے نکتے نوٹ کر رکھے تھے۔ اور اپنے مطالعے کے نچوڑ کو مختصر یادداشتوں کے طور پر جمع کرتے جاتے تھے۔ استاد شہید مطہری غضب کے حافظہ کے مالک تھے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ گویا چلتی پھرتی تاریخ تھے۔

استاد مطہری کتاب نہج البلاغہ اور حضرت علی (ع) سے شدید عشق رکھتے تھے۔ وہ نہج البلاغہ کی گہرائی اور ہمہ جہتی کو جان گئے تھے اور نوجوانوں کو تاکید کرتے تھے کہ صرف اس کتاب کے ظاہر پر نظر نہ رکھیں۔ ان کی کتاب " سیری در نہج البلاغہ " ایک مختصر کتاب ہے وہ نہج البلاغہ کے بارے میں سیر حاصل کتاب تحریر کرنا چاہتے تھے مگر افسوس کہ یہ کارنامہ وہ انجام نہ دے سکے۔ ان کی نظر میں یہ کتاب تحقیق اور تجزیہ و تحلیل کے سلسلے میں کافی نہ تھی اور اسی وجہ سے انہوں نے اس کا نام " سیری در نہج البلاغہ " رکھا۔ عوام میں ان کی محبوبیت کا راز یہ تھا کہ نوجوانوں کو اپنے تمام سوالات کا جواب ان کی کتابوں میں مل جاتا تھا۔ ان کی کتابوں کی مقبولیت کی وجہ یہ تھی کہ وہ عوام کی سائیکالوجی سے واقف تھے۔ جہاں وہ دیکھتے تھے کہ اسلام کے بارے میں نوجوانوں کے ذہن میں کسی قسم کے ابہام یا کوئی پیچیدہ مسئلہ الجھن بنا ہوا ہے، وہ فوراً اس طرف متوجہ ہو جاتے تھے اور اس کا تسلی بخش جواب مہیا کر دیتے تھے۔ اسی لیے ان کی کتابیں بے حد مقبول اور مفید ہیں۔ خدا انھیں جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے وہ عاشقِ اسلام تھے۔ اور چاہتے تھے کہ اسلام کے بہترین اور سچے خادم ثابت ہوں۔ قرآن، وحی، سنتِ پیغمبر، احادیثِ پیغمبر اور اقوال ائمہ اسلام، فلسفہ اسلام اور فقہِ اسلام کو ساری دنیا میں روشناس کرائیں۔ الحمد للہ کہ خداوند تعالیٰ نے انھیں یہ توفیق عطا فرمائی تھی اگر دشمنانِ اسلام نے انھیں زندگی کی مزید مہلت دی ہوتی تو وہ یقیناً اسلام اور

معاشرے کی شایانِ شان خدمت کرتے۔ خدا ان کی مغفرت فرمائے۔

استاد مطہری اُن معدودے چند لوگوں میں سے تھے جنھوں نے اپنی عمر کو محض رضائے خدا کے لیے دوسروں کی بھلائی اور بیداری کے لیے وقف کر رکھا تھا۔ وہ خوب جانتے تھے کہ انسانیت کی نجات صرف اسی میں ہے کہ حقیقی مکتبِ اسلام کی جانب لوٹ آئے۔ وہ بخوبی آگاہ تھے اور انھوں نے ہمیں بھی سکھایا کہ جس طرح ایک معاشرے کے لیے بے دینی خطرناک ہے مذہبی بدفکری و کج اندیشی اس سے زیادہ خطرناک ہوگی۔ دشمن ہمارے اصل اعتقادات کو مٹا کر، افکار اسلامی کو بگاڑ کر ہماری جڑیں کاٹ رہا ہے اور اچانک ہمیں معلوم ہوگا کہ ہمارے دینِ الٰہی کا عظیم محل خود ہمارے ہاتھوں مسمار ہو چکا ہے۔ لہٰذا انھوں نے یہ آواز بلند کیا کہ ہم انقلابی اسلام نہیں چاہتے بلکہ انقلاب اسلامی کے خواہاں ہیں۔ یہ جان لو کہ اسلام ایک ہدف ہے مصلحت نہیں ہے۔ منزلِ مقصود ہے راستہ نہیں ہے ہمیں اسلام کی راہ میں سب کچھ قربان کر دینا چاہیئے۔ اسلام کو اپنے لیے وسیلہ نہیں بنانا چاہیئے۔

تصنیفات: ان کا پہلا مضمون ۱۳۳۲ میں "نشریہ حکمت" قم میں شائع ہوا۔ ان کی پہلی اہم تصنیف وہ مقدمہ اور حواشی ہیں جو انہوں نے "اصول فلسفہ و روش ریالیزم" پر لکھا اور جو اسفند ماہ ۱۳۳۲ میں شائع ہوا۔ اصول فلسفہ اور روش ریالیزم حضرت علامہ طباطبائی کی تصنیف ہے لیکن چونکہ اس کے ایجاز و اختصار کی بنا پر اس کتاب کا سمجھنا خاص طور پر فلسفہ سے ناآشنا لوگوں کے لیے بہت دشوار تھا چنانچہ مؤلف سے درخواست کی گئی کہ اس کی شرح لکھیں حضرت علامہ طباطبائی کو اس کام کی انجام دہی کے لیے مطہری سے بہتر کوئی شخص نظر نہ آیا۔ لہٰذا انھوں نے یہ مہم ان کے سپرد کر دی اور خوش نصیبی سے استاد مطہری نے اس کام کو بہ حسن و خوبی انجام دیا۔

پچھلے بیس سالوں میں اس کتاب نے فلسفہ مادیت کی بے مائگی ثابت کرنے میں نہایت اہم نقش ادا کیا ہے۔ اور یہ مطہری کی عمیق ترین اور تحقیقی ترین تصنیفات میں شمار کی جاتی ہے۔

تہران آنے کے پہلے ہی سال سے مطہری تبلیغ اور تدریس میں مشغول ہو گئے۔ اور برابر معاشرے کی تہذیبی اصلاح کی کوششوں میں لگے رہے۔

استاد مطہری واحد اُستاد تھے جو فلسفہ مشاء کے ماہرین میں شمار کیے جاتے تھے۔ اور شیخ

بوعلی سینا کی کتابوں کی تفہیم پر کامل عبور رکھتے تھے وہ متن شفا، نجات اور اشارات شیخ ڈاکٹریٹ کے طلبا کو پڑھاتے تھے۔

بوعلی سینا کی کتابوں کے علاوہ "شرح منظومہ سبزواری" اور "شواہد الربوبیہ" بھی پڑھاتے تھے۔

استاد مطہری کے سامنے تجویز رکھی گئی کہ مفید اور سادہ اور ساتھ ساتھ مستند کہانیوں کی کتاب لکھیں۔ آپ نے بخوشی اس ذمہ داری کو قبول کر لیا۔ اور اس کتاب کی پہلی جلد ۱۳۳۹ میں شائع ہوئی جو نہایت مقبول ہوئی۔ اور تب سے اب تک اس کے پندرہ ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ اور یونیسکو کی طرف سے اِسے سال کی بہترین کتاب قرار دیا گیا ہے۔

حسینیہ ارشاد کی تاسیس

استاد مطہری کافی عرصے سے اس فکر میں تھے کہ ایک علمی اور تحقیقی مرکز معارف اسلامی کی تعلیم کے لیے قائم کریں۔ چنانچہ وہ ان افراد میں سے ایک تھے۔ جنہوں نے حسینیہ ارشاد کے قیام میں اہم رول ادا کیا وہ اس کی انتظامیہ کمیٹی کے ممبر بھی تھے۔ انھیں امید تھی کہ اس اسلامی مرکز کے وسیلے سے وہ اسلام اور اسلامی آئیڈیالوجی سے دنیا کو روشناس کرا سکیں گے۔ اس لیے وہ نہایت عشق اور دل چسپی سے اپنا زیادہ سے زیادہ وقت اس ادارہ کے کاموں میں صرف کرتے تھے۔ اور تمام امور کو نہایت تحقیق اور تجسس سے انجام دیتے تھے۔ استاد مطہری نے وہاں متعدد موضوعات پر تقریریں کیں۔ جن میں سے چند یہ ہیں۔ ۱۔ تحریفات در واقعہ تاریخی عاشورا۔ ۲۔ حماسۂ حسینی ۳۔ جاذبہ ودافعۂ علیؑ۔

۱۳۳۷ اور ۱۳۳۸ میں جبکہ اسلامی میڈیکل ایسوسی ایشن قائم ہوئی اس کے خاص مقرر استاد مطہری ہی ہوتے تھے۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ۱۳۴۰ سے ۱۳۵۰ تک ایسوسی ایشن کے واحد مقرر رہے تھے جو مختلف اہم فلسفی، فقہی، عقلی اور اسلامی آئیڈیالوجی سے متعلق مسائل پر بحث و تقریریں کرتے تھے۔ جیسے مندرجہ ذیل عنوانات سے پتہ چلتا ہے۔ بحث دربارہ اصول پنجگانہ

توحید وعدل ونبوت ومعاد وامامت اور مسئلہ غلامی کو وہ موردِ بحث قرار دیتے تھے۔ ان تقریروں کے کچھ حصوں کو انھوں نے کتابی صورت میں مسئلہ حجاب کے نام سے شائع کیا۔

استاد شہید مرتضیٰ مطہری عام اسلام کے سچے نمائندے تھے جو دین کی ذرا سی بے حرمتی برداشت نہیں کرتے تھے۔ وہ نہایت دقت نظر اور سچائی کے ساتھ سماجی تحریکوں کو پرکھتے تھے۔ مادیت پسندی کا فروغ اور علم زدگی جو یونیورسٹی کے دانشوروں میں ان کے بنیادی ضعف اعتقاد کی بنا پر بڑھتی جارہی تھی، ان کے لیے شدید تشویش کا باعث تھی۔ اور یہی وجہ تھی کہ وہ قم کی دینی درسگاہ سے یونیورسٹی کھنچ کر آگئے۔ تاکہ ان لوگوں کے درمیان رہ سکیں۔ ان کے شکوک وشبہات رفع کرسکیں۔ استاد شہید مطہری نے اپنی ساری عمر ایک عظیم اور دشمن شکن جد وجہد کے درمیان گزاری اور فلسفہ، تاریخ، اسلامی افکار، خطوط کلی اور بنیادی افکار ونظریات کے عرفان وادراک، انسان شناسی اور فلسفۂ حرکت پر جہاں کی گہری نظر اور دسترس کامل تھی اس سے انھوں نے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسلامی افکار وخیالات کی بنیاد ڈالی اور مندرجہ بالا مقولات کو ایک ایسے مکتب میں ڈھالا جس کی اساس توحید تھی اور ہمارے لیے امکانات پیدا کیے کہ ہم صحیح اور اصلی اسلامی آئیڈیالوجی کی سمت کا تعین کرسکیں۔

کسی بھی دانشور اور محقق سے مرحوم استاد مطہری کی گران بہا تصانیف اور باقیات الصالحات اور ان کی اہمیت اور قدر وقیمت پوشیدہ نہیں ہے۔ اگرچہ ان کے پیکر مطہر کو دشمنانِ اسلام نے خون میں نہلادیا۔ لیکن اسلامی افکار کے عاشق اس بہادر انسان کی روح کو لوگوں سے نہ چھین سکے بلکہ مرحوم کی شہادت سے اُن کی ان تھک کوششوں کی اہمیت اور مسائلِ اسلامی سے متعلق ان کے کارنامے، ایران کے عوام اور تمام عالم اسلام پر آشکارا ہوگئے۔ خاص طور پر مرحوم کی وہ گران بہا تصنیفات جو کم نظیر بلکہ بے نظیر ہیں، اور جو وہ اپنے پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔

استاد شہید مرتضیٰ مطہری ان لوگوں میں سے تھے جن پر امام خمینی کی خاص توجہ وعنایت تھی اور ایران کے مسلم عوام کی انقلابی تحریک کی قیادت کے سلسلے میں امام خمینی کے بعد ان کا نہایت اعلیٰ اور تخلیقی رول تھا۔ جو انہوں نے جبر واستبداد سے رہائی دلانے کے لیے ادا کیا۔ انھوں نے ہمیشہ امام خمینی سے رابطہ قائم رکھا، چاہے وہ عراق میں تھے یا پیرس میں وہ انھیں ملک کے اہم واقعات

سے برابر آگاہ کرتے رہے اور اُن سے رہنمائی حاصل کرتے رہے۔ دورانِ انقلاب سے قبل اور جس زمانے میں ایران کی مسلم قوم حکومت وقت کے خلاف اُٹھ کھڑی ہوئی تھی اور آپ علمای مبارز ایران کی رہنمائی کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ آپ ہمیشہ عوام کا رُخ سوفی صدی اور حقیقی اسلامی تحریک کی جانب موڑتے رہے اور سچ یہ ہے کہ اس فرض سے بخوبی عہدہ برآ ہوئے۔ جس زمانے میں امام خمینی پیرس میں مقیم تھے آپ اُن سے وہاں ملنے کے لیے گئے اسلامی انقلاب کے اہم مسائل کے بارے میں ان سے مشورہ کیا۔ امام خمینی نے اپنے نظریات بیان کیے۔ اور اپنے اس عزیز شاگرد کی رہنمائی کی۔ انقلاب کی کامیابی سے کچھ قبل جب امام خمینی کی طرف سے شورای انقلاب کی تشکیل کی گئی تو امام نے انھیں شورای انقلاب کا صدر مقرر کیا۔ انہوں نے یہ ذمہ داری نہایت خوش اسلوبی سے انجام دی۔ امام خمینی کے واپس تہران پہنچنے کے بعد بھی آیت اللہ مرتضیٰ مطہری برابر امام کے شریک کار اور ہمراہ رہے۔ وہ ان چند افراد میں سے تھے جنہوں نے انقلاب کے فوری بعد اس نازک اور حساس مرحلے پر تحریک انقلاب کی صحیح قیادت کی۔ ابھی انقلاب کی کامیابی کو تین ماہ بھی نہ ہوئے تھے کہ ایک رات، شورای انقلاب کی میٹنگ سے واپس گھر لوٹتے وقت خدا کے ایک منافق کی گولی کا نشانہ بن گئے اور اس طرح انکی دیرینہ آرزو پوری ہوگئی ان کے قتل کا اعلان ہوتے ہی تمام ایران غم واندوہ کی تصویر بن گیا۔ کچھ ہی لمحوں بعد ریڈیو ایران نے تمام دنیا سے اسلام اور عاشقانِ حقیقت وراستی وانصاف کو استاد عزیز کی شہادت کی خبر پہنچائی۔ ایران اس شہید اعظم کے ماتم میں سیاہ پوش ہوگیا۔ ہر طرف سے آہ وبکا اور گریہ وزاری کی صدائیں بلند تھیں۔ عوام وخواص ان کی شہادت پر گریہ کناں تھے۔ کیوں کہ شہید مطہری نے تو اپنی منزل پالی تھی۔ ان کی آرزو پوری ہو چکی تھی۔ ایران کے مسلمان عوام اس لیے رو رہے تھے کہ ایک عظیم دانش ور دُنیاے اسلام سے اُٹھ گیا تھا۔ وہ دنیاے اسلام جس پر مشرقی اور مغربی دونوں مکاتیب فکر کی یورش ہے۔ اگر واقعی کوئی ہستی اسلام کو اس یورش دیلغار سے نجات دلا سکتی تھی، جو اسلام کے لیے مایۂ امید تھی، تو وہ حضرت آیت اللہ مطہری کی ذات اقدس تھی امام خمینی نے آپ کی شہادت پر ان کے سوگ میں دو دن کی عمومی تعطیل کا اعلان کیا اور خود ان کی عزاداری میں شریک ہوئے۔ تشییع کے بعد آپ کے جسد مبارک کو لاکھوں لوگ تہران

سے قم لے گئے اور حضرت معصومہ علیہ السلام کے جوار میں سپردِ خاک کر دیا۔

ہاں، زمانے کے اس عظیم استاد، علامہ شہید مطہری (قدس سرہٗ) کا قتل محض ایک سیاسی شخصیت کا قتل نہیں تھا، انسانیت کا قتل تھا۔ یہ ایک آئیڈیالوجی کا قتل تھا۔ ایک طرزِ فکر کا قتل تھا۔

اپنی زندگی کے آخری دنوں میں استاد مطہری سیر و سلوک اور تصوّف میں غیر معمولی دلچسپی لینے لگے تھے وہ ہر شب مغرب اور عشاء کی نماز کے بعد قرآن کریم کی چند سورتیں نہایت خوش الحانی کے ساتھ تلاوت کرتے تھے اور آدھی رات کے بعد تہجّد کی نماز ادا کرنے کے لیے اُٹھ جاتے تھے۔ شہادت سے چند روز قبل انھوں نے ایک خواب دیکھا جس کا بیان اُنھیں کی زبانی سنئے :۔

"میں نے خواب دیکھا کہ میں اسلامی انقلاب کے رہنما (آیت اللہ خمینی) کے ہمراہ مکۂ معظمہ میں خانۂ کعبہ کے مقابل کھڑا ہوں۔ اچانک خانۂ کعبہ کا دروازہ کھلا اور ایک نورانی چہرہ نمودار ہوا۔ امام خمینی نے مجھ سے فرمایا کہ یہ نورانی ذات گرامی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چشم مبارک اِمام خمینی کی جانب تھی۔ ہم لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم میں آگے بڑھے رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے امام خمینی کو اپنی آغوشِ مبارک میں لے لیا۔ اور اُن کی پیشانی کو بوسہ دیا۔ بعد ازاں آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم میری جانب متوجہ ہوئے اور میرے لبوں پر بھی کئی بار بوسے دیے۔ دفورِ جوش و انبساط سے استاد محترم کی آنکھ کھل گئی۔ انھوں نے اس مبارک خواب کی تعبیر بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ عنقریب کوئی اہم واقعہ پیش آنے والا ہے۔ جس کے متعلق پیشگوئی کرنا ممکن نہیں۔ [illegible] استاد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے مشرف ہوئے تھے ویسے راہیٔ فردوس بریں ہوئے

انقلابِ اسلامی کا مقصد ہے کہ اسلامی اصول و قوانین کی بنیاد پر ایک نئے معاشرہ کی بناء ڈالی جائے۔ وہ معاشرہ جس کے معیارِ اسلام کے حقانی اصول ہوں نہ اس سے کم

اس سے زیادہ اور مرحوم استاد شہید اسی حقیقی اسلام کو دُنیا کے سامنے پیش کرنے میں کامیاب ہوئے تھے۔ انھوں نے اس راہ میں اپنی جان قربان کرنے سے بھی دریغ نہ کیا۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ دین اسلام میں کسی بھی تحریف کے شاہد ہوں۔ چنانچہ دشمنانِ اسلام کو یہ بات پسند نہ آئی اور انہوں نے ان کا پاک خون بہا کر دم لیا۔

استاد کی عظمت اور قدر و منزلت کی بنیاد ان کا وہ بے لوث جذبۂ خدمت تھا جو انہوں نے اسلامی تہذیب و تمدن کو دنیا میں آگے بڑھانے کے لیے ادا کیا۔ ان کی عظمت کا راز یہ بات تھی کہ انہوں نے حقائق و اسرار عالم سے پردہ اٹھایا اور انسان کے روحانی مدارج کی ترقی پر زور دیا۔ اُن کی عملی زندگی زہد و تقویٰ، انسانیت، عبادت و ریاضت اور انسانی شرافت کا اعلیٰ نمونہ تھی۔

افسوس، صد افسوس۔ یہ اظہارِ تاسف اس لیے ہے کہ عالم انسانیت کو انھیں کھو کر عظیم نقصان پہونچا ہے۔ ورنہ ہم جانتے ہیں کہ تمام منافقین اور منحرف جماعتوں کے لیے عالم اسلام کا یہ رنج و الم نہایت خوش آیند ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کافروں اور کافر مسلمانوں کے لیے فرماتا ہے۔

إِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَإِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَفْرَحُوا بِهَا وَإِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا إِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ٥

اگر مسلمانوں کو خوشی، نیکی میسر ہوتی ہے تو وہ ان کو بری لگتی ہے اور وہ پریشان ہو جاتے ہیں (یعنی دشمنانِ اسلام و انسانیت اور منافقین) اور اگر تمہیں بدی اور نقصان پہونچتا ہے تو انھیں مسرت ملتی ہے۔ لیکن اگر تم صبر اختیار کرو اور تقویٰ و خدا پرستی اختیار کرو تو ان کے فریب اور نیرنگ تمہیں ذرہ برابر نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ کیونکہ خداوند ان کے تمام اعمال سے آگاہ ہے اور ان پر مسلط ہے۔ (آل عمران، ۱۲۰)

احکام قرآنی کے مطابق ہم بھی صبر کریں گے۔ اور استاد کے سامنے سرخروئی حاصل کرنے کے لیے ان کے عروۃ الوثقیٰ اور حبل المتین افکار کی پیروی اور ان کے دکھائے ہوئے راستے یعنی

صراطِ مستقیم پر چلیں گے۔ اسلام میں کسی بھی طرح کے انحراف کی سختی سے روک تھام کریں گے۔ اِن کے زہد و تقویٰ۔ ان کے عرفانِ ذاتِ الٰہی کو مشعلِ راہ بنائیں گے۔ اسلام کی پہچان اور اس پر درست عمل کرینگے فرقہ بازی، گروہ بندی کو قطعی وقعت نہ دیں گے۔

ان کی شائع شدہ تصنیفات درجِ ذیل ہیں۔

۱۔ مغرب میں اخلاق جنسی
۲۔ انسان کی زندگی میں امداد ہائے غیبی
۳۔ امامت و رہبری
۴۔ انسان اور ایمان
۵۔ انسان اور تقدیر
۶۔ قرآن میں انسان
۷۔ پیغمبر اُمّی
۸۔ انقلاب اسلامی کے بارے میں
۹۔ انسان کی سماجی تکمیل
۱۰۔ توحیدی نقطۂ نظر
۱۱۔ اسلامی جمہوریت
۱۲۔ معاشرہ اور تاریخ
۱۳۔ علی کی کشش اور قوت
۱۴۔ ختم نبوّت
۱۵۔ دین کا سورج کبھی غروب نہیں ہوتا
۱۶۔ اسلام اور ایران کی ایک دوسرے کے تئیں خدمات
۱۷۔ سچے لوگوں کی کہانی
۱۸۔ دس تقریریں
۱۹۔ زندگی جاوید یا حیات اخروی
۲۰۔ نہج البلاغہ کے بارے میں
۲۱۔ قرآن فہمی شناخت
۲۲۔ عدل الٰہی
۲۳۔ علومِ اسلامی (۲ جلد)
۲۴۔ مادیت کی طرف رجحان کے اسباب
۲۵۔ شورش و انقلاب مہدی
۲۶۔ ایران اور مصر میں کتاب سوزی
۲۷۔ مجموعہ مقالات
۲۸۔ مسئلہ حجاب
۲۹۔ اسلام میں عورت کے حقوق
۳۰۔ پچھلی صد سالہ تحریکیں
۳۱۔ ولاء ہا و ولایتِ ہا
۳۲۔ وحی و نبوت
۳۳۔ اصول فلسفہ و روش ریالیزم (حواشی)
۳۴۔ شہید
۳۵۔ غدیر اور اسلامی اتحاد
۳۶۔ بیس تقریریں (۲۰ گفتار)

ان کے اہم ترین مقالات یہ ہیں :-

۱:- اجتہاد اور حصول روایات

۲:- مذہبی انجمنوں کی بنیادی ماہیت

۳:- جنسی دلچسپی

۴:- جنسی اخلاق - (سات مضامین)

۵:- ایران اور اسلام

۶:- عاشورا کے تاریخی واقعہ میں تحریفات

۷:- حسینی رزمیہ

—— ناشر ——

خانہ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران

۱۸، تلک مارگ - نئی دہلی

طابع :- نیو پبلک پریس ۱۵۳۴ - گلی قاسم جان - دہلی

Ayatullah Morteza Motahhari